ایس ۔ اے ۔ آر ۔ امین میر نگری

علامہ اقبال اور سائنس

حیات و کائنات میں سائنس کے وسیع اثرات سے انکار ممکن نہیں ، تاہم شعر و ادب بھی سحرِ حلال بن کر مسائلِ حیات کو حل کرنے بلکہ زندگی کی حقیقتوں کو اُجاگر کرنے کے دعوے دار ہیں ۔ ہلاکت خیز اثرات کے باوجود سائنس ایک عظیم حقیقت ہے ۔ بے شک لوگ ایٹمی دھماکوں کے خوف سے لرزہ براندام ہیں اور ابھی ہیروشیما و ناگاساکی کی تباہی کی داستان نہیں بھولے ، بایں ہمہ سائنس اور فنیات کی تعمیری صلاحیتیں بھی اسی قدر عظیم اور مسلم ہیں ۔ سائنس کی بدولت آج انسان ہم دوشِ سلیماں ہے ۔ فضا ہو ، خلا ہو ، دریا ہو ، بحر ہو ، بر ہو کہ جمادات و نباتات یا آتش و باد ، آج ہر شے انسان کے تابعِ فرمان ہے ۔ اب انسان مورِ بے مایہ کی طرح ضعیف مخلوق نہیں رہا ۔ اب وہ فطرت کے مقابل میں خود کو مجبورِ محض نہیں پاتا ، بلکہ اب تو وہ مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے ، فطرت کے مقاصد کا رازداں ہے ، خدائے بحر و بر ہے ، صاحبِ عظمت و جبروت ہے ، یعنی کہ نائبِ حق ہے ۔ سائنس (حکمتِ جدیدہ) میں حرارت کی انتہا روشنی کی ابتدا ہے ۔ اسی طرح حرکت و حرارت کا عنصر بھی مخلوط ہے ، بلکہ حرکت حرارت کی ہم زاد ہے ، یعنی دونوں کیفیتیں بہ یک وقت ایک دوسرے کی خالق بھی ہیں اور مخلوق بھی ۔ حرکت حرارت کو جنم دیتی ہے اور پھر خود اُسی سے جنم لیتی ہے ۔

علامہ اقبال دنیائے ادب میں پہلی شخصیت ہیں جنھیں اہلِ نظر پیغمبرِ حرکت و حرارت تسلیم کرتے ہیں ۔ وہ پہلے شاعر ہیں جن کے کلام میں حرکت کی مختلف کیفیتوں کے ساتھ ساتھ حرارت متنوع صورتوں میں نمایاں

ہے ۔ اقبال سے پہلے شعری روایات حکمتِ جدیدہ کے ان دو بنیادی اقدار سے خالی ہیں ۔ علامہ نے ہمیں حکمت کے ان دو بنیادی اقدار ، حرکت و حرارت ، کی حقیقت کے لطیف امتزاج سے آشنا کیا اور شعرِ عجم کو سوزِ دروں عطا کر کے حیاتِ ملی کا سرچشمۂ جاوداں بنایا ۔ کلامِ اقبال میں ہزاروں اشعار نہ صرف حرکت و حرارت بلکہ حقائقِ اشیا و کائنات کے کسی نہ کسی پہلو کے حامل اور امین ہیں ۔ چنانچہ اس مناسبت سے ''شاعرِ مشرق'' کو شاعرِ الحکمت بلکہ پیغمبرِ سائنس (ترجمانِ حکمت) قرار دینا بھی اعترافِ حقیقت ہے ۔

علامہ اقبال نے اُنیسویں صدی یعنی سائنسی دنیا کے عہد زریں میں آنکھ کھولی جب کہ سارا عالم برق و بخارات کے کرشموں سے متحیر تھا ۔ فضائے بسیط پر طیاروں کی حکم رانی تھی ، سمندر کا سینہ دخانی جہازوں کی کثرت سے چھلنی تھا ، ارضِ خاکی برق قمقموں کی جگمگاہٹ سے رشکِ جنت بن گئی تھی ، فاصلے ختم ہوکر رہ گئے تھے ، لاسلکی نظامِ مواصلات نے مشرق و مغرب کا فرق مٹا دیا تھا ۔ غرض بیسویں صدی میں انسان کی آنکھیں تجلیاتِ سائنس سے خیرہ تھیں ۔ ان حالات میں ترجمانِ حقیقت حقیقتِ ثابتہ سے کیسے صرفِ نظر کر سکتے تھے ؟ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اشعار و خطبات میں سائنسی موضوعات (حقیقتِ اشیا) کے مطالعے پر خوب بحث کی ہے ۔ فرماتے ہیں :

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں

* * *

ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست

* * *

اے آفتاب روحِ روانِ جہاں ہے تو شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو

* * *

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

• • •

مقامِ فکر ہے پیمائشِ زمان و مکاں مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

تاریخِ اسلام کا یہ المیہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ نے حکمت و تعلیماتِ اقبال سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کیا ۔ حکیم الامت کی واضح تعلیمات سے صرفِ نظر کرنے کے نتیجے میں ملت آج خسران و حرمان کا شکار ہے ، جب کہ اقوامِ مغرب ، جنھوں نے حکمتِ اشیا کو مقصودِ علم بنایا ، پیمائش زمان و مکاں میں مصروف رہیں ، تو آج اُن کا ایک قدم چاند پر ہے ، دوسرا مریخ پر اور دنیا کی تمام نعمتیں اُنھیں حاصل ہیں ، اور وہ قوت و جبروت کا نشان ہیں ۔ علامہ اقبال کا کلام ، اُن کے خطبات اور زندگی کے واقعات وضاحت کرتے ہیں کہ نظریاتی سائنس پر اُن کی نگاہ بڑی گہری تھی ، بلکہ وہ اپنے عہد کے سائنس دانوں سے پیچھے بھی نہیں تھے ۔ بیسویں صدی میں سائنسی تحقیقات نے فضا و خلا کی جن سرحدوں تک رسائی حاصل کی کلامِ اقبال میں اس کی صدائے باز گشت نمایاں ہے ۔ علامہ کا ارشاد ہے :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

• • •

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں

• • •

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پر کشا تو حقیقت میں کچھ نہیں

• • •

عقلِ آدم بر جہاں شبخوں کند عشقِ او بر لامکاں شبخوں کند

• • •

اے ز کارِ عصرِ حاضر بے خبر چوب دستیہائے یورپ را نگر

• • •

دست رنگیں کن ز خونِ کہسار جوے آب گوہر از دریا بر آر

ان اشعار کے مطالب و غوامض پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ''جوہری توانای'' (Atomic Energy) اور خلا نوردی (Space Travel)

کی حیرت انگیز کار فرمائیوں کی جانب ایک مثبت اشارہ اور واضح ہدایت ہی تو ہے -

ایسا کیوں نہ ہوتا ؟ علامہ اقبال مفکرِ اسلام اور ترجمانِ حقیقت بھی تو ہیں اور سب جانتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے ، یعنی اسلام اور سائنس مربوط حقیقتیں ہیں - اسلام اور قرآن کا سائنس اور اخلاقِ فاضلہ سے گہرا رشتہ ہے ، بلکہ قرآنِ حکیم در اصل سرچشمۂ حکمت ہے - ارتقائے حیات اور دیگر سائنسی عنوانات پر قرآن سے پہلے واضح اور مدلل بیان کسی سائنس دان کے پاس نہیں ملتا - مسلمان جب تک قرآنِ حکیم سے وابستہ رہے ، تسخیرِ فطرت پر اُن کی توجہ قائم رہی اور وہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے پہلے پہل مشاہدے اور نظریے کے امتزاج سے استقرای اندازِ فکر کو مستحکم کر کے حکمتِ جدیدہ (سائنس) کی بنیاد رکھی - اس سلسلے میں متعدد مغربی مورخینِ سائنس مثلاً موسیو رابرٹ بریفالٹ کا بیان ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے وہ اپنی کتاب *The Making of Humanity* میں لکھتے ہیں :

''اگرچہ یورپ کی ترقی کا ایک بھی پہلو ایسا نہیں جس سے قطعی طور پر اسلامی ثقافت کے نقوش کا پتا نہ ملتا ہو لیکن اس کی قوت کی پیدائش پر اس کے اثرات جس قدر واضح اور اہم ہیں کہیں دوسری جگہ نہیں - یہی تو نئی دنیا کی مستقل دائمی قوت اور کامیابی کا عظیم سرچشمہ ہے - یہی طبعی سائنس اور سائنسی اسپرٹ ہے -

''سائنس اپنے وجود کے لیےعربوں کی مرہونِ منت ہے - سائنس صرف حیرت انگیز دریافتوں اور انقلاب آفریں نظریوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ عربوں کی رہینِ کرم ہے - ہم جسے سائنس کہتے ہیں وہ مغرب میں سائنسی تجسس کی نئی اسپرٹ ، تحقیق و تجربہ کے نئے طریقوں اور مشاہدے کی ان نئی عادات کے نتیجے میں اُبھری جن سے یونانی ناواقف تھے اور عربوں نے یورپ کی سر زمین سے دنیا کو اس اسپرٹ اور ان طریقوں سے متعارف کرایا -''

ایک یورپین محقق اسلام کے صدرِ اول کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :
'یہ اسلام کی عظمت ہے کہ اُس نے سائنسی علوم کو مسجد میں وہی جگہ

دی ہے جو قرآن ، حدیث اور فقہ و تفسیر کے مطالعے کو دی ۔ یاد رہے اپنے عہدِ عروج میں مسجد اسلام کی یونیورسٹی تھی جہاں کیمیا ، طبیعیات ، نباتیات ، علم الادویہ و فلکیات پر اور فلسفہ پر لیکچر دیے جاتے تھے ۔"

علامہ اقبال نے عشقِ رسول اور قرآنِ حکیم کو اپنا سرمایۂ دانش قرار دیا ۔ چنانچہ اُس حکمتِ جدیدہ (سائنس) اور اس کی تاریخ و فتوحات کا حقیقی ادراک تھا ، وہ اس کی اثر انگیزی پر یقین رکھتے تھے اور اُنھوں نے بڑے ولولے اور دل سوزی کے ساتھ افرادِ ملت کو حکمتِ اشیا کی تحصیل کی تلقین کی ۔ کہتے ہیں :

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است ایں دو قوت اعتبارِ ملت است

• • •

آں فتوحاتِ جہانِ ذوق و شوق ایں فتوحاتِ جہانِ تحت و فوق

• • •

ہر دو انعامِ خدائے لایزال مومناں را آں جمال است ایں جلال

• • •

حکمتِ اشیا فرنگی زاد نیست اصلِ او جز لذتِ ایجاد نیست

• • •

نیک اگر بینی مسلماں زادہ ست ایں گہر از دستِ ما اُفتادہ است

• • •

ایں پری از شیشۂ اسلافِ ماست باز صیدش کن کہ از قافِ ماست

حقیقت یہ ہے کہ علامہ نے جدید سائنس ، خصوصاً ریاضیات ، طبیعیات ، حیاتیات کا عمیق مطالعہ کیا تھا اور عصرِ حاضر میں علمِ کلام پر سائنس کے اثرات سے بخوبی واقف تھے ۔ اپنے خطبات کے دیباچے میں فرماتے ہیں :

"طبیعیاتِ قدیم کی بنیادیں اب تغیر پذیر ہیں اور وہ مادیت یا مادہ پرستی جو سائنس کے سبب فروغ پذیر تھیں اب معدوم ہوتی جا رہی ہیں ۔ اب وہ دن دور نہیں کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے میں ایسی ہم آہنگی محسوس کریں جس کا اس سے قبل تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ۔"

["Classical Physics has learned to criticize its own foundations. As a result of this criticism the kind of materialism, which it originally necessitated, is rapidly disappearing ; and the day is not far off when Religion and Science may discover hithereto unsuspected mutual harmonies."]

علومِ جدیدہ کی فارغ التحصیل شخصیتوں میں اقبال ، محمد علی جوہر اور مظہر بیرسٹر عدیم المثال انقلابی نظر آتے ہیں جنھوں نے تعلیمِ جدید میں شور بور ہونے کے باوجود تہذیبِ افرنگ کا کوئی اثر مطلقاً قبول نہ کیا اور مدت العمر تہذیب نوی کے زبردست نکتہ چیں رہے ۔ اقبال ان خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں ابتدائی مراحل میں ہی اہلِ دل بزرگوں کی تربیت نصیب ہوئی ۔ چنانچہ اقبال نے مذہب و اخلاقیات سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا اور بعد میں علومِ جدیدہ سے آراستہ ہوئے ۔ تحصیلِ علم میں راستے کے اس فرق سے اقبال کی فکر و نگاہ میں جو عمق اور وسعت پیدا ہوئی ، وہ ملت کے بہت کم افراد کو نصیب ہو سکی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ''جلوۂ دانشِ افرنگ'' انھیں خیرہ نہ کر سکا ۔ وہ لندن اور جرمنی میں قیام کے دوران زمستانی ہواؤں میں شمشیر کی سی تیزی کے باوجود سحرخیز رہے ، غیر ماحول میں خود دار و کم آمیز رہے اور قرآن و سنت کو ہی اپنا قبلۂ مقصود بنایا ۔ علامہ اقبال ان شخصیتوں میں سے ہیں جو علومِ تازہ کی سر مستیوں کو تو حلال سمجھتے ہیں لیکن اُس کے اثرات کو کارگہِ شیشہ گراں قرار دیتے ہیں اور جملہ سائنسی ترقی و انکشافات کے باوجود عصرِ نو کو رات کی طرح بے نور اور تیرہ و تار سمجھتے ہیں ، اس لیے کہ عصرِ نو احساس ، مروت اور اقدارِ روحانی و عظمتِ انسانی کے احساس سے عاری ہے ۔ علامہ اقبال سائنسی حقائق اور فنیات (Technology) کی اثر پذیری کو تسلیم کرنے کے باوجود علمِ مغرب سے نہ تو مرعوب تھے اور نہ وہ مادہ پرست ہوئے ۔ ان کا ذہن حرکت و حرارت کا خزینہ تھا ۔ ساتھ ہی وہ عروسِ فطرت کے بے مثل پرستار تھے ۔ تدبرِ قرآن اور مظاہرِ فطرت کے تاثرات نے اُن کے آئینۂ دل پر جلا کا کام کیا اور ان کے قلبی احساسات کو اس سے ایک نادر الوجود نورِ ادراک نصیب ہوا جسے علم لدنی کہیے یا الہام و وجدان ۔ یہ ان کی تنہا اور ما بہ الامتیاز خصوصیت ہے جس کی

بدولت ان کا ذہن اور قلم علم و حکمت کے گہرہائے آب دار کا ترشح کرتا رہا جو بیش قیمت ملی سرمایہ ہے اور اخلاقیاتِ فاضلہ کا دفینہ بھی۔

"پیامِ مشرق" میں فرماتے ہیں :

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر   ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

• • •

علم اشیا علم الاسماستے   ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے

مثنوی "پس چہ باید کرد" میں ہے :

علم اشیا داد مغرب را فروغ   حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ
ہر کہ آیاتِ خدا بیند حر است   اصلِ ایں حکمت ز حکمِ اُنظر است

"رموزِ بے خودی" میں ہے :

آں کتا بزلدہ قرآنِ حکیم   حکمتِ او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات   بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

تسخیرِ فطرت کے موضوع پر اقبال "مرقعِ چغتائی" کے دیباچے میں کہتے ہیں :

"انسانی قوت کا راز یہ ہے کہ فطرت کے مہیجات کے خلاف مقاومت اختیار کی جائے نہ کہ اُن کے عمل کے سامنے اپنے آپ کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ جو کچھ موجود ہے اس کی مقاومت اس واسطے کرنی چاہیے کہ جو موجود نہیں اس کی تخلیق ہو۔ ایسا کرنا صحت و زندگی سے عبارت ہے۔"

حق یہ ہے کہ فضائے بسیط کی اشیا کا علم اور تسخیرِ کائنات اقبال کی تعلیات کا مرکزی نکتہ ہے اور انتہائی ضروری علم بھی ، اس لیے کہ انسان اپنے منصبِ حقیقی تک پہنچنے میں ان علوم کا ہی محتاج ہے اور یہ بھی کہ عربی زبان کا لفظ "حکمت" در اصل علم ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ وہ علم ہے جس کا تعلق فضائے بسیط سے ہے۔ اسی علم سے محرومی کا نتیجہ ایشیا و افریقہ کی غلامی کی صورت میں ظاہر ہے۔ علامہ نے اس

علم کے حصول کو ہمارے وجود کا تقاضا قرار دیا ہے تاکہ تکمیلِ خودی اور نیابتِ حق کے فرائض انجام پذیر ہو سکیں۔ فرماتے ہیں :

نائبِ حق در جہاں آدم شود
بر عناصر حکم اُو محکم شود

• • •

آں کہ بر اشیا کمند انداخت است
مرکب از برق و حرارت ساخت است

• • •

ہے گرمیٔ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم
سورج بھی تماشائی تارے بھی تماشائی

• • •

جستجو را محکم از تدبیر کن
انفس و آفاق را تسخیر کن

• • •

صد جہاں در یک فضا پوشیدہ اند
مہرہا در ذرہ پوشیدہ اند

• • •

عروجِ آدمِ خاکی کے منتظر ہیں تمام
یہ کہکشاں یہ ستارے یہ نیلگوں افلاک

حکمائے امت میں علامہ اقبال وہ فردِ وحید ہیں جنھیں عظمتِ انسانی کا یقین تھا اور قرآن کی غوطہ زنی نے اُن کے ایقان کو مزید پختگی عطا کر دی۔ وہ تسخیرِ کائنات کو انسان کا ادنیٰ کارنامہ شمار کرتے ہیں۔ قوت و جبروت کے نشان جبرئیل کو صیدِ زبوں کہتے ہیں :

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

• • •

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

* * *

فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے
زمیں از کوکبِ تقدیرِ او گردوں شود روزے

* * *

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرۂ تعمیر کرد

* * *

علمِ اشیا اعتبارِ آدم است حکمتِ اشیا حصارِ آدم است

* * *

تا بدست آور لبضِ کائنات وا نمود اسرارِ تقویمِ حیات

* * *

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیٔ او ظلِ اسمِ اعظم است

علامہ اقبال بہ تکرار و اصرار فرمایا کرتے تھے کہ ''صرف اسلام ہی نئی دنیا تخلیق کر سکتا ہے'' ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کو وہ دینِ فطرت جانتے تھے اور یہی وہ مذہب ہے جس نے قوانینِ قدرت اور مظاہرِ فطرت پر غور و فکر کو عبادت قرار دیا ہے ۔

(۱) ان فی خلق السمٰوات و الارض و اختلافات اللیل والنہار لآیتٍ للو الباب ۔

[زمین و آسمان کی پیدائش اور دن و رات کے فرق میں اہلِ نظر کے لیے نشانیاں پوشیدہ ہیں ۔]

(۲) أنظر الی السماء کیف رفعت و الی الارض کیف سطحت ۔

[ذرا آسمان پر غور کرو کہ کس قدر بلند کی گئی اور زمین کیسی مسطح بنی ہوئی ہے ۔]

علامہ اقبال کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :

"اقبال صرف شاعر نہ تھا ۔ وہ حکیم تھا ۔۔ وہ حکیم نہیں جو ارسطو کے گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چیں ، بلکہ وہ حکیم جو اسرارِ قدرت کا محرم اور رموزِ فطرت کا آشنا تھا ۔ وہ نئے فلسفہ کے ہر راز سے واقف ہو کر اسلام کے راز کو اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا ، یعنی بادۂ انگور کو نچوڑ کر کوثر و تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا ۔

''وہ ہندوستان کی آبرو ، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا ۔ اس کی زبان کا ہر ترانہ 'بانگ درا' ، اس کی جانِ حزیں کی ہر آواز 'زبورِعجم' ، اس کے دل کی ہر فریاد 'پیامِ مشرق' ، اس کے شعر کا ہر پرِ پرواز 'بالِ جبریل' تھا ۔ اس کی زندگی کا ہر کارنامہ 'جاوید نامہ' بن کر انشاء اللہ العزیز باقی رہے گا ۔''